الکتاب والحکمۃ

عزیز زبیدی۔ واربرٹن

خوش فہمیاں لے ڈوبی ہیں

۱۔ فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَّرِثُوا الْكِتٰبَ يَاْخُذُوْنَ عَرَضَ هٰذَا الْاَدْنٰى وَيَقُوْلُوْنَ سَيُغْفَرُ لَنَا ۚ
وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ يَاْخُذُوْهُ (پ۹۔ اعراف ع۲۱)

یہ گناہ تو ہمارا معاف ہو ہی جائے گا۔ (ترجمہ) پھر ان کے بعد ایسے ناخلف (ان کے) جانشین ہوئے کہ (وہ بزرگوں کی جگہ) کتاب (تورات) کے وارث (تو) بنے (مگر آیات فروشی کے عوض ان کو) اس دنیائے دوں کی (کوئی) چیز (مل جائے تو) لے لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ گناہ تو ہمارا معاف ہو ہی جائے گا اور اگر اسی طرح کی کوئی چیز (پھر) ان کے سامنے آجائے تو اسے (بھی) لے کر رہیں۔

نیک اور بھلے خانوادوں میں بالخصوص اور عوام میں بالعموم یہ مرض عام ہوتا ہے اور یہ بول بولتے نہیں تھکتے کہ خدا رحیم و کریم اور قدر دان ہے، بخش ہی دے گا۔ انسان گناہوں کا پتلا ہے، غلطیاں ہو ہی جاتی ہیں۔ رب کی ذات کی رحمت کا تو کوئی کنارہ نہیں، اس کی رحمت کے مقابلے میں ان گناہوں کی کیا حیثیت ہے۔

'وَاِنْ يَّاْتِهِمْ عَرَضٌ مِّثْلُهٗ' اس لیے کہا ہے کہ انھوں نے ایک دفعہ جو کچھ لیا ہے وہ یونہی اتفاقات کی بات نہیں ہے بلکہ یہ ان کی طبیعت بن گئی ہے۔ اگر مکرر ان کو مل جائے تو بھی ان کو اس کے لینے میں دریغ نہیں ہوگا۔

اصل میں جب ایک انسان کے دماغ میں یہ بات بیٹھ جاتی ہے کہ: جو کچھ اس سے نافرمانی ہوتی ہے، وہ ایک معمولی سی بات ہے۔ خدا کوئی تھوڑے دل والی ذات نہیں ہے کہ بس لمبے لے کر بیٹھ جائے گا تو اس وقت ایسے انسان پر گناہوں کے دروازے چوپٹ کھل جاتے ہیں، بڑے سے بڑے گناہ پر بھی دل میں اس کو احساسِ زیاں کی کسک محسوس نہیں ہوتی۔ جو لوگ اس مرحلہ پر صورتِ حال کی سنگینی کا احساس نہیں کرتے، ان کا اخروی مستقبل تو بالخصوص خطرے میں پڑ جاتا ہے

۲۔ قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ اَلَّذِيْنَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا

وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (پ - کہف ع)

جن کی ساری دوڑ دنیا کے لیے رہی۔ (ترجمہ) آپ (ان سے) کہہ دیں کہ کہو تو ہم تمہیں وہ لوگ بتائیں جو اعمال کے اعتبار سے بڑے گھاٹے میں ہیں (ہاں تو یہ) وہ لوگ ہیں جن کی (ساری) کوشش دنیوی زندگی میں صرف ہو گئی اور وہ اس خوش فہمی میں رہے کہ بڑے اچھے کام کر رہے ہیں۔

دنیا اور دنیا کمانا، کوئی برا کام نہیں، پر اس سارے دھندے کی غرض و غایت اگر یہ ہو کہ: کھائے تاکہ اس کا گائے تو پھر دنیا اور اس کا کمانا سب عبادت اگر اس کے بجائے اس کے سوچنے کا انداز یا انداز زیست کچھ ایسا ہو کہ: جیسے تاکہ کھائے، تو یہ صرف معصیت نہیں بلکہ انسانیت کو حیوان بنانے کی ایک مذموم کوشش بھی ہے۔

جن لوگوں کی ساری مساعی اور کاوشوں کا مدعا اولاً اور آخراً یہی دنیا، نام و نمود، اونچے اونچے منصب، عظیم صنائع، سیاسی معراج، معاشی ترقیاں اور مادی محظوظات اور لذائذ رہے، ان کی اخروی محرومیوں، دل دہلا دینے والے انجام اور بدنصیبیوں کا اندازہ کرنا کچھ زیادہ مشکل کام نہیں ہے۔

۳۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ (پ۶ - مائدہ ع)

ہم خدا کے چہیتے ہیں۔ (ترجمہ) اور یہود اور نصاریٰ (اپنی اپنی جگہ) دعوے سے کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور چہیتے ہیں۔

جب کسی قوم یا معاشرے میں یہ غلط فہمی جڑ پکڑ جاتی ہے وہ اپنے حال اور قال پر نظر ثانی کرنے کی توفیق سے محروم ہی ہو جاتی ہے اس لیے وہاں جا کر دم لیتی ہے جہاں اس کو بچانے کے لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سر توڑ کوشش کرتے آئے ہیں، غور فرمائیے! ان کے کرتوت تو وہ جن کا رونا سب روتے ہیں مگر دعوے یہ کہ: ہم ہی خدائی شہزادے ہیں۔ انا للہ

۴۔ وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ (پ۱ - بقرہ ع)

بہشت کی اجارہ داری۔ (ترجمہ) اور وہ کہتے ہیں کہ جنت میں یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا اور کوئی داخل نہیں ہو گا۔

یہ فرقہ وارانہ ذہنیت کا کرشمہ ہے کہ: وہ ہزار ہا حماقتوں اور ناکردنیوں کے باوجود محض اپنے فرقہ کا یہ خاصہ سمجھتے ہیں کہ: اس سے جو نسبت حاصل ہے، نجات اور بہشت کے لیے وہ کافی ہے۔ اور جو اس سے باہر ہیں وہ راندۂ درگاہ ہیں۔ یہ خوش فہمیاں صرف پہلے کی باتیں نہیں، آج بھی

یہی ذہنیت کارفرما ہے۔ ایک انسان جب اپنے گرد اس قسم کی ذہنیت کا حصار اور دائرہ کھینچ کر بے فکری کی نیند سو جاتا ہے تو وہ نہ صرف اپنی زندگی کو غیر محفوظ بنا لیتا ہے، بلکہ وہ اس فرقہ اور مذہب کی بدنامی کا موجب بھی بن جاتا ہے۔ معاف کیجیے! اگر ہم یہ کہیں کہ آج کل ہمارے کلامی اور فقہی اسلوب کے جو فرقے اپنے اپنے تشخص کے لیے اصرار کر رہے ہیں وہ یہود و نصاریٰ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں رہے۔ الا ما شاء اللہ وان ھم الا قلیل تو اس میں مبالغہ نہیں ہوگا۔

اصل بات "نسبت" کی نہیں، ایمان اور عمل صالح کی ہے، اگر یہ نہیں ہیں تو پھر نسبت کچھ کام نہ آئے گی۔ اگر ان میں جان ہے تو نسبت بھی سونے پر سہاگہ ثابت ہوگی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

۵ - وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَيَقُوْلُوْنَ هٰۤؤُلَاۤءِ شُفَعَاۤؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ (پ ۱۱ - یونس ع ۲)

جھوٹے سہارے: (ترجمہ) اور وہ خدا کے سوا کئی ایسی چیزوں کی پرستش کرتے ہیں جو نہ تو ان کو نقصان پہنچا سکتی ہیں اور نہ ان کو نفع ہی پہنچا سکتی ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ یہ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

یہ ایک اور خوش فہمی ہے جس نے کم فہم لوگوں کو بے جا توقعات کے نشہ میں مدہوش کر دیا ہے، بلکہ ان جھوٹے سہاروں کی بنا پر خدا کو درمیان سے اٹھا ہی دیا ہے اور وہ اب ان مجازی معبودانِ باطل کی دلجوئی میں مستغرق ہیں۔ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ راضی ہو گئے تو پھر خدا کی کیا مجال کہ ہمیں معاف نہ کرے۔

شفاعت گنہگاروں کی ہے لیکن ان کی نہیں جو شفاعت کے سہارے گناہ کرتے اور فکری و عملی گمراہیوں کی راہیں ہموار کرتے رہتے ہیں۔ گنہگار تو وہ ہے جس سے گناہ ہو جاتے ہیں، وہ تو خدا کا باغی اور گستاخ ہے جو سفارشیوں کے سہارے خدا کے حضور بے ادب ہو جاتا ہے، اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ زبانِ حال سے وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ میرے فلاں سفارشی کے ہوتے تو میرا کیا بگاڑے گا۔ العیاذ باللہ۔

پرستش عام ہے روحانی ہو یا سیاسی اور معاشی، مفاد کے لالچ کا نتیجہ ہو، بہرحال خدا کے مقابلے میں یہ سب بے حقیقت ہیں، ان کا نفع و ضرر سطحی اور ناپائیدار ہے، اس لیے ان جھوٹے سہاروں کی بنا پر خدا کی نافرمانیاں خطرناک ہیں اور بہت سنگین۔

الغرض: حسنِ عمل کے ساتھ خدا سے حسین توقعات رکھنا مبارک ہے، لیکن بدعملی اور بے ایمانی، کتاب و سنت سے انحراف اور سیئات میں استغراق کے باوجود یہ "خوش فہمیاں" فریب نفس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔